© rasailojaraid.com

مذاکرہ

عنوان : جہیز و تعلیم و تربیت نسواں

زیر اہتمام : مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری

مورخہ : ۱۳/ اکتوبر ۱۹۸۴ء

میزبان : مولانا محمد متین ہاشمی

مذاکرہ

- جناب مولانا گلزار احمد مظاہری
- جناب مولانا محمد رفیق چودھری
- جناب مولانا ریاض الحسن نوری
- جناب فرید احمد پراچہ
- محترمہ زینب کاکاخیل
- جناب چودھری عبدالمجید اولکھ
- جناب ڈاکٹر جان محمد
- جناب محترمہ زبیدہ واصل
- محترمہ خورشید النساء بیگم
- محترمہ نزہت فردوس
- جناب حافظ غلام حسین
- جناب حافظ محمد سعد اللہ

اور دیگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تلاوت : حافظ محمد سعد اللہ۔

مولانا سید محمد متین ہاشمی: نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ اما بعد! حضرات علماء کرام اور حاضرین! آج کے مذاکرے کا موضوع حیثیت نسواں سے متعلق جہیز اور تعلیم وتربیت ہے۔ میں مولانا ریاض الحسن نوری صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔

نوری صاحب: نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ جہیز کے متعلق ہمیں یہ ملتا ہے کہ جاہلیت کے دور میں مہر جو ہوتا تھا وہ کافی زیادہ تھا مثلاً سو اونٹ بھی مہر ہوتا تھا اور وہ مہر لڑکی کا حق سمجھا جاتا تھا۔ لیکن بعض اوقات لڑکی کا والد مہر وصول کر کے اس سے جہیز تیار کرتا تھا جو لڑکی کے ساتھ دے دیا جاتا تھا۔ ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ والد خود مہر پر قابض ہو جاتا۔ مگر عام طور پر مہر لڑکی کا حق سمجھا جاتا تھا اور والد اس میں سے لڑکی کے لیے جہیز تیار کرتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ جاہلی دور میں بھی جہیز لڑکی کا والد اپنی طرف سے نہیں دیتا تھا۔ بلکہ اسی مہر میں سے ہی دیا کرتا تھا۔ یہ ایک نکتہ ہے جو میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں ۔ دوسرے یہ کہ اس زمانے میں مہر کافی زیادہ ہوتا تھا اس سلسلے میں ہمارے لیے بہترین مثال حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ہے۔ اس کے لیے محب الطبری نے ایک کتاب لکھی ہے۔

" ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ" اس کے صفحہ ۲۷، ۲۸ پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ ہے ۔ اس میں حضرت علی کی شادی کا ذکر ہے ۔ اس میں وہ فرماتے ہیں: جب حضرت علیؓ نے آپؐ کی صاحبزادی کے لیے درخواست کی تو آپؐ نے پوچھا تمہارے پاس کیا چیز ہے ۔ تو انہوں نے کہا کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے اور ایک زرہ ہے ۔ آپؐ نے فرمایا گھوڑا تو مرد کے کام کی چیز ہے زرہ کو تم بیچ سکتے ہو ۔ حضرت علی نے وہ زرہ چار سو سے کچھ زیادہ دراہم کی حضرت عثمان رضؓ کے ہاتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیجی۔ حضرت عثمان نے رقم دینے کے بعد وہ زرہ بھی دے دی۔ یہ لے کر حضرت علیؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یہ حاضر ہے۔ یہ تھے چار سو اور اسی درہم۔ ان میں سے آپؐ نے ایک مٹھی بھری اور حضرت بلال سے کہا اس سے خوشبو خرید لاؤ اور کچھ تکیے خرید لاؤ اور کچھ بستروں کا بندوبست کرو۔ مطلب یہ ہے کہ وہ جہیز جو تھا اسی مہر کی رقم سے آپ نے خرید کیا۔

حافظ غلام حسین صاحب: کیا اس کی کہیں وضاحت ہے کہ حضرت علی نے جو دراہم دیئے تھے وہ مہر کے طور پر تھے؟

نوری صاحب: جی! حضورؐ نے حضرت علی کو بلوایا تھا......

ہاشمی صاحب: مجھے یاد پڑتا ہے کہ علامہ زرقانی نے اس کی وضاحت کی ہے۔

نوری صاحب: علامہ زرقانی نے بھی شرح مواہب اللدنیہ میں اس نکاح اور جہیز کی کچھ تفصیلات دی ہیں۔ جلد ثانی اور ص ۳۴۳ ہے۔ یہاں پر درہم کا لفظ موجود ہے۔ اس میں ہے کہ بعض تکیوں میں اون اور بعض میں کھجور کی چھال بھری گئی۔ لیکن زیادہ تر اس رقم سے خوشبو ہی خریدی گئی۔ ہمارے کہنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ ہم لڑکی والے جو جہیز کے طور پر دیتے ہیں لحاف، برتن وغیرہ۔ یہ سب مہر میں سے یا خاوند کی طرف سے ہوتے تھے۔

یہ پوائنٹ میں واضح کرنا چاہتا ہوں۔ یعنی جہیز لڑکی والوں کی طرف سے کچھ نہیں دیا گیا یہ نکتہ نوٹ کرنے کے قابل ہے۔ احیاء العلوم میں نکاح کے بارے میں کافی تفصیلات ملتی ہیں۔

احیاء العلوم جلد دوم صفحہ ۴۱ میں فرماتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر النساء احسنهن وجوها وارخصهن مهوراً ایک تو آپ نے فرمایا کہ مہر کم ہونا چاہیئے زیادہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اسی سلسلہ میں امام غزالی ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ نے اپنی بعض بیویوں سے شادی کی تو کس مہر پر کی اس سے ثابت ہو جائے گا کہ مہر کیسا ہونا چاہیئے۔ تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض نسائه علی عشرة دراهم واثاث البیت وکان رحی ید وجرة ووسادة ادمها من لیف۔ یعنی دس درہم تھے چکی تھی ہاتھ والی گھڑے تھے تکیے تھے کھجور کے چھلکوں والے ایک زوجہ محترمہ کا یہ قصہ ہے۔ اور یہ حضرت علی کے نکاح کا جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا ہے ۔ ولاحمد من حدیث علی لما زوجه فاطمة بعث معها طبية وسادة ادم حشوها ليف وحى وسقاء وجرتين ترمذی میں ایک حدیث ہے جس میں حضور کا اپنی بیٹی کا نکاح اربع مائۃ دراہم کے مہر پہ کرنے کا ذکر ہے بعض ایسی روائتیں ملتی ہیں کہ اس سے بھی کم مقرر ہوا ہے یہاں جو نکتہ میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جہیز کا جو تصور ہے کہ لڑکی کے والدین اس لڑکی کو رخصت ہوتے وقت جہیز دیں اس کا تصور اسلام میں اور سلف صوالحین میں نہیں ہے ۔ اور یہ دراصل ہندوؤں کی ایک رسم ہے جو ہمارے ہاں اپنالی گئی ہے چونکہ وہاں بیٹی والے اگر جہیز نہیں دیتے تھے تو ان کی بیٹی قبول نہیں کی جاتی ۔ آپ نے اخبارات میں پڑھا ہو گا ہندوستان میں تقریباً ہر روز ایک نہ ایک دلہن کو زندہ اس لیے جلا دیا جاتا ہے کہ وہ جہیز میں بہت سا سامان نہیں لائی ۔ آپ پڑھتے ہوں گے اخبارات میں میرے پاس اخبارات کے حوالہ جات موجود ہیں اور ایسے واقعات ہندوستان کی زندگی کا معمول ہیں ۔ ایک نکتہ اس میں یہ بھی ہے کہ وہاں حکومت بھی ایک عورت کی ہے پھر بھی عورتوں پہ ظلم ہو رہے ہیں ۔ اور وہاں کا طرز حکومت بھی جمہوریت ہے ۔ لیکن جمہوریت ہونے کے باوجود روزانہ وہاں ایک عورت زندہ جلائی جا رہی ہے جہیز کم لانے کی وجہ سے تو اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام نے عورت کے ساتھ کتنا حسن سلوک کا حکم دیا ہے ۔

ہاشمی صاحب : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور بھی بنات العالحات تھیں حضرت رقیہ ۔ ام کلثوم اور زینب ایسی کوئی روایت بھی آپ پیش کر سکتے ہیں کہ حضور نے دیگر بنات العالحات کے لیے اس طرح کا کوئی انتظام فرمایا ۔

نوری صاحب : اصل میں ان کی کوئی تفصیلات نہیں ملتی میں دیکھوں گا ۔

ہاشمی صاحب : دوسری بات یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر کفالت تھے اور ابتدا ہی سے حضرت ابو طالب کے بیٹوں کو قحط کے زمانے میں جب تقسیم کیا گیا تھا تو حضرت علی نبی کریم کے حوالے ہوئے ۔ اور حضرت علی کا اپنا کوئی گھر ہی نہیں تھا ۔ جہاں سیدہ فاطمہ کو رخصت کیا جاتا نہ کوئی گھر گرہستی تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ فاطمہ کی شادی علی سے کردی جائے تو دَین مہر کا مطالبہ کیا۔ یہ صحیح ہے کہ دین مہر کی رقم لے کر آپ نے تو بلال کو دی اور بہت ساری روایتوں میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو دیئے۔ وہ گئے اور پھر بعد میں حضرت عثمانؓ کو ساتھ ملایا۔ لیکن ہمیں کوئی ایسی روایت نہیں ملتی کہ حضرت رقیہ، اُمِّ کلثوم اور زینب کو آپ نے جہیز دیا ہو۔

نوری صاحب: یہ اسلام سے پہلے کے واقعات ہیں۔

ہاشمی صاحب: چلو حضرت زینب کا نکاح اسلام سے پہلے ہوا لیکن حضرت ام کلثوم وغیرہ کا تو اسلام میں ہوا لیکن چونکہ حضرت عثمان کا گھر پہلے سے آباد تھا۔ اور ان کو اس بات کی ضرورت نہیں تھی کہ گھر کا سامان جہیز وغیرہ کے طور پر دیا جاتا اس لئے آپ نے نہ دیا۔ ورنہ حضرت عثمان سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دین مہر کا مطالبہ فرماتے اور دین مہر لے کر جہیز خریدتے۔

نوری صاحب: میرے کہنے کا مطلب یہی ہے کہ حضرت علی کی مالی حالت اچھی نہ ہونے کے باوجود حضرت نبی کریم نے اپنی طرف سے جہیز نہیں دیا ان کی زرہ بکوا کر ان سے لے کر یہ سب چیزیں خرید کر دیں۔ میں اس سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ جہیز دینا اسلام میں والدین کی ذمہ داری نہیں ہے۔

ہاشمی صاحب: آپ نے اور بھی تاریخی کتب کا مطالعہ فرمایا ہوگا۔ کیا ائمہ بھی یہی سمجھتے ہیں

نوری صاحب: دیکھئے میں ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ حضرت سعید بن المسیب کے پاس ایک صاحب آیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ کئی دنوں بعد آئے تو حضرت سعید نے کہا بہت عرصے کے بعد آئے کیا بات ہے اتنے دن کہاں رہے۔ تو وہ کہنے لگے کہ بات یہ ہے کہ میری بیوی مرگئی تھی اسی سلسلہ میں مصروف رہا۔ تو حضرت سعید نے پوچھا اب نئی شادی کے لئے کیا ارادہ ہے۔ تو اس نے کہا جناب! مجھے کون بیٹی دیگا میں تو بالکل غریب فقیر آدمی ہوں۔ حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا! واہ میں تجھے بیٹی دیتا ہوں۔ اور فوراً اس کا نکاح وہیں پڑھوایا۔ اس کے بعد وہ آدمی کہتا ہے کہ میں گھر چلا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیا۔ جب رات ہوئی تو کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے پوچھا کون! جواب ملا سعید۔ کون سعید۔ میں حیران ہوا سعید بن مسیب تقریباً بیس سال سے سوائے اپنے گھر اور مسجد کے کسی سے ملنے نہیں گئے اس لئے وہ یہ تو سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ سعید بن مسیب ہوں گے۔ لیکن کیا دیکھتا ہے کہ سعید بن مسیب ہیں اور ساتھ ہی ان کے ایک عورت لپٹی لپٹائی ہوئی کھڑی تھی اور کہہ رہے ہیں کہ یہ تمہاری بیوی ہے میں نے نہیں پسند کیا کہ تم اکیلے رہو اس لئے اسے چھوڑنے آیا ہوں۔ امام غزالی لکھتے ہیں کہ یہ وہ لڑکی تھی جس کا رشتہ خلیفہ وقت نے اپنے بیٹے کے لئے مانگا تھا لیکن حضرت سعید بن مسیب نے انکار کر دیا تھا۔

اس واقعہ میں دیکھئے کہ حضرت سعید بن مسیب جانتے تھے کہ خاوند فقیر ہے لیکن وہ لڑکی کو چھوڑ آئے مگر ساتھ کچھ دیا نہیں۔ اس ساری بحث سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جہیز صرف ہندوؤں سے لی ہوئی رسوم میں ہے ایک بات دیکھئے کہ صوبہ سرحد میں لڑکی والے رقم کافی لے کر پھر بیٹی دیتے ہیں۔ اور مہر بھی شادی سے پہلے وصول کر لیتے ہیں۔ جو بہت زیادہ رقم ہوتی ہے۔ جو دوسری برائی ہے کہ مہر وہ بیٹی کو نہیں دیتے بلکہ خود رکھتے ہیں اس چیز کو وہاں تلقی بالقبول حاصل ہے۔

فرید احمد پراچہ: یہ دونوں انتہائیں ہیں۔ اصل ضرورت تو توازن کی ہے چاہے جہیز ہو چاہے مہر ہو۔ سعودی عرب اور کویت میں یہی صورت ہے کہ لڑکے بیٹھے رہ جاتے ہیں کیونکہ مہر اتنا زیادہ طلب کیا جاتا ہے کہ لڑکا عمر بھر کمانے کے باوجود پورا نہیں کر پاتا۔ اب حکومت قرض دے رہی ہے لڑکوں کو شادیوں کے لیے کہ یہ قرض لو اور شادی کرو۔

نوری صاحب: مہر کی رقم زیادہ بھی ہوتی رہی ہے۔ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی سے شادی کی تو ان کا مہر بہت زیادہ تھا۔ تو مہر کا زیادہ ہونا یا کم ہونا تو مسئلہ نہیں ہے مسئلہ ہے جہیز کا۔ تو جہیز کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں یہ بالکل بے معنی رسم ہے......

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا گلزار احمد مظاہری صاحب: یہ تو ٹھیک ہے کہ فلاں نے نہیں دیا اور فلاں نے تھوڑا دیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم یہ کہہ دیں کہ اسلام میں جہیز کا وجود نہیں یہ کہنا میرے خیال سے زیادتی ہے۔

نوری صاحب: یعنی اس کو رسم بنانا.....

ہاشمی صاحب: (مولانا گلزار احمد صاحب سے) اس کی شرعی حیثیت اگر آپ کوئی سمجھتے ہوں تو آپ وضاحت فرمائیں۔

مولانا گلزار احمد صاحب: میں نے کچھ لکھا ہے عرض کرونگا۔

ہاشمی صاحب: پراچہ صاحب آپ تو اکثر اسلامی ممالک کے دوروں پر رہتے ہیں اور دیگر دنیا کے ممالک میں بھی گھومتے رہتے ہیں آپ اپنے مشاہدات اس سلسلہ میں کچھ بیان فرمائیں گے۔

فرید پراچہ: جیسا کہ نوری صاحب نے بیان فرمایا ہے کہ یہاں پر یہ معاملہ ہندوں سے آیا ہے تو یہ ہمارے ہاں ہی زیادہ ہے باقی اسلامی ممالک میں اس انداز سے نہیں ہے۔ خاص طور پر عرب ممالک میں تو اس کی دوسری انتہا ہے کہ مہر زیادہ طلب کیا جاتا ہے اس سلسلہ میں میں نے اخبار میں ایک کارٹون دیکھا وہ بڑا دلچسپ ہے کہ ایک آدمی ایک بزرگ سے اس کی بیٹی کا رشتہ طلب کرنے کے لیے آیا ہے اور اسے کہتا ہے کہ تم اپنی بیٹی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو اور یہ بیس ہزار ریال لو۔ تو وہ بزرگ اسے اندر سے لڑکی کا ہاتھ کاٹ کر لا کے دے رہا ہے اور کہتا ہے کہ بیس ہزار ریال میں تو صرف ہاتھ ہی مل سکتا ہے۔ تو یہ ایک دوسری انتہا ہے جو وہاں پر ہے۔ لیکن جہیز کا معاملہ جو ہے وہ اس طرح نہیں ہے۔ اس لحاظ سے یہ پہلو بہتر ہے کہ مہر تو بہر حال ایک شرعی حق ہے۔ اور اس کے علاوہ وہ کمانے والے آدمی سے طلب کیا جا رہا ہے۔ لیکن جہیز طلب کیا جاتا ہے لڑکی سے یا اس کے باپ سے جب کہ باپ بھی ضعیف ہوتا ہے اور کمانے کی سکت نہیں رکھتا۔ اس لیے اس انتہا کا مقابلہ بہر حال دوسری انتہا سے نہیں ہو سکتا یہ بالکل تکلیف دہ بھی ہے۔ اور بہت سارے معاشرتی مسائل کو بھی جنم دیتا ہے۔ شرعی طور پر اس کو لازم تو بہر حال نہیں کیا جا سکتا اس کا طلب کرنا مستحسن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی نہیں کہا جاسکتا ۔ لیکن اس پر پابندی بھی نہیں ہو سکتی کہ والدین اگر رضامندی سے کچھ دینا چاہیں تو دیں

نوری صاحب : پراچہ صاحب آپ کی اس بات پر میں عرض کروں گا کہ احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ جو خاوند اپنی بیوی کے مال پر نظر رکھے اور وہ جہیز کا طالب ہو تو وہ چور ہے ۔

حافظ غلام حسین : پنجاب میں ایک مسئلہ جو ہے کہ جہیز تو دے دیتے ہیں لیکن وراثت سے بچی کو خارج کر دیتے ہیں اور جہیز کو ہی کافی سمجھ لیا جاتا ہے ۔ اس جہیز کے نتیجے میں وہ وراثت سے محروم ہو جاتی ہے ۔ اس سے بیان بھی دلوا لیا جاتا ہے انگوٹھا لگوا لیا جاتا ہے ۔ اور جہیز میں ان کو کافی سامان بلا ضرورت بھی دے دیا جاتا ہے ۔ لیکن زمین مکان یا دوسری پراپرٹیز جو مستقل طور پر ان کو فائدہ پہنچانے والی چیز ہوتی ہے ان سے ان کو محروم کر دیا جاتا ہے ۔ اگر جہیز کو ہم جیسے آج کل چل رہا ہے اسی صورت میں چھوڑ دیں تو شریعت کا وہ پہلو کہ وراثت سے وہ محروم ہو جاتی ہیں ۔ ہیں بے شک رضامندی سے ہی وہ محروم ہوتی ہیں کہ جہیز میں بہت کچھ ملنا چاہیئے اور جائداد تو میرے والدین کی ہے اور یہ بھائیوں کو ملنا چاہیئے ۔ یہ تو ایک برائی ہے اس کا بھی تو کوئی انسداد ہونا چاہیئے ۔

نوری صاحب : دراصل میں عرض کرتا ہوں بات یہ ہے کہ یہ موضوع جہیز سے ذرا الگ تھا اس لیے میں نے اسے نہیں اٹھایا ۔ وراثت کا جہاں تک معاملہ ہے یہ بات سمجھنے والی ہے کہ قرآن میں دو جگہ مرد اور عورت کو وراثت میں برابر کہا گیا ہے ۔ مثلاً کلالہ ۔ کسے موقع پر کہ بہن اور بھائی کا حصہ برابر ہے ۔ غالباً جلال الدین سیوطی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس میں ذکر اور انثیٰ برابر ہیں ایک دوسری جگہ میں بھی برابری ہے ۔ اب صرف بیٹی کے معاملہ میں ہم دیکھتے ہیں برابر نہیں ہے وہ نصف ہے اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ بیٹی کے یا عورت کے دو گھر ہوتے ہیں ایک خاوند کا گھر اور ایک اپنے ماں باپ کا گھر ہوتا ہے ۔ باپ کے گھر سے اسے نصف وراثت مل جاتی ہے اور خاوند کے گھر سے اسے مہر ملتا ہے ۔ اور وہاں کھانا پینا رہنا سب کچھ ہوتا ہے ۔ اس طرح اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو وراثت یا مالی معاملات میں عورت اور مرد کا فرق ہی باقی نہیں رہتا ۔ بطور بہن کے بھائی کے وہاں پر تو ان کا حصہ برابر ہے یعنی (کلالہ میں) بیٹی کا حصہ اس لیے برابر نہیں ہے کہ گھر سے بھی اس کو وراثت میں حصہ ملتا ہے اور خاوند سے مہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملتا ہے۔

ہاشمی صاحب: (جناب رفیق چوہدری صاحب سے)

جہیز کے سلسلے جو بحث ہو رہی ہے اس میں ابھی تک یہی بات سامنے آئی ہے کہ نبی کریمؐ نے جو فاطمۃ الزہراء کا جہیز دیا تھا وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ حضرت علیؓ سے مہر لے کر اسی میں سے دیا تھا۔ اور اس کا بہترین ثبوت یہ ہے کہ حدیث میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ آپؐ نے دیگر بنات الصالحات کو کچھ دیا ہو۔ پھر نوری صاحب نے سعید بن مسیب کا ایک واقعہ بیان کیا کہ اپنی بیٹی کو لیا اور خاوند کے گھر چھوڑ آئے۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

رفیق چوہدری صاحب: جہیز اسلام میں نکاح کے سلسلے میں کوئی شرط نہیں۔ اور نہ ہی یہ ضروری ہے اور نہ ہی اسلام کے احکام میں سے کوئی حکم ہے۔ اور نہ ہی اسلام جہیز پر کوئی زور دیتا ہے۔

ہاشمی صاحب: بحیثیت ایک معاشرتی برائی کے میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہندؤں کی مجاورت (ساتھ رہنے) کی وجہ سے ان کا اثر ہمارے اوپر ہو گیا ہے۔ یہ ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ہندوؤں میں اور آپ بھی جا کر دیکھ سکتے ہیں ایک ہوتا ہے دان جس کو جہیز کہتے ہیں اور ایک ہوتا ہے تلک جس میں ایک حصہ خاص رقم ہوتی ہے جو لڑکے کی صلاحیت کے اعتبار سے متعین کی جاتی ہے۔ پچاس ہزار، ایک لاکھ، دو لاکھ وغیرہ وغیرہ۔ اس سے وہاں اتنا بڑا معاشرتی فساد پھیلا ہوا ہے کہ جس کا علاج وہاں اب کسی کے پاس نہیں اور ان کی معاشرت شکست وریخت کا شکار ہو چکی ہے اور کوئی گھر ایسا نہیں جس میں یہ فساد نہ ہو۔ اب ہمارے ہاں بھی یہ لعنت آچکی ہے۔ اب چاہے کوئی بھیک مانگے، حرام خوری کرے یا رشوت لے لڑکی کے لیے اس کو جہیز تیار کرنا پڑتا ہے اور ان معاشرتی برائیوں کا زیادہ تر سبب یہی ہے۔ اب ہم مجبور ہیں کہ اگر ہماری تین بیٹیاں ہیں اور ہمیں ان کو بیاہنا ہے تو اگر ہر ایک کو ایک لاکھ کا جہیز دیں تو یہ کہاں سے لائیں؟ لہذا اس کے لیے ہم یہی ناجائز ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ رشوت لیتے ہیں یا اور بہت سے امور کرتے ہیں۔ یہ بات تو بہر حال واضح ہے کہ اس کی (جہیز کی) کوئی شرعی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیثیت نہیں ہے۔ اب رہا یہ معاملہ کہ ایک معاشرتی چیز ہمارے اوپر سوار ہو گئی ہے۔ لیکن اس کی شرعی حیثیت کوئی نہیں، اس کے باوجود اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کو تحفہ دینا چاہتا ہے تو دے دے۔ شرعاً اس پر کوئی پابندی نہیں۔ لیکن اس کو جہیز کا نام دے کر اور حضرت فاطمہ سے منسوب کر کے جو ایک مذہبی تقدس دیا جاتا ہے اور جو ایک رواج کی شکل اختیار کر رہا ہے یہ مناسب نہیں ہے۔ علماء موجود ہیں میں ان کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں جہاں تک فتوٰی کا تعلق ہے مفتی جب فتوٰی دیتا ہے تو یہی نہیں دیکھتا کہ یہ سوال ہے اس کا جواب دینا ہے، بلکہ مفتی کے اوپر آداب فتوٰی میں سے یہ بھی ہے کہ مصالح کا بھی خیال رکھے۔ کوئی ایسی چیز جہاں وہ دیکھ رہا ہے کہ یہ معاشرتی برائی ہے اور اس سے بہت سے فسادات پھیلنے کا امکان ہے تو مفتی یہ کرتا ہے کہ اگر تغلیظ نہ بھی ہو تب بھی تغلیظ کرتا ہے۔ تاکہ اس کا انسداد پوری طرح سے کیا جائے اس لیے میں آپ حضرات کی خدمت میں عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس کا انسداد بہر صورت ہونا چاہیئے۔ اس کی وجہ سے بہت سی ایسی لڑکیاں ہیں جو میرے علم میں ہیں اور میں ان کو جانتا ہوں کہ وہ بوڑھی ہو رہی ہیں بیٹھی ہوئی اس انتظار میں کہ جہیز کی رقم ہو جائے تو شادی کا اہتمام کیا جائے۔ اور اس کی وجہ سے ہماری عورتوں میں ملازمت کا رجحان پیدا ہو رہا ہے کہ والدین تو اتنا جہیز دے نہیں سکتے اب لڑکی کو خود مجبور کر دیا جاتا ہے کہ وہ کمائے اور اپنا جہیز بنانے میں ہاتھ بٹائے اس طرح اس بیچاری کو گھر سے نکلنا پڑتا ہے۔ بسوں میں دھکے کھانا پڑتے ہیں وغیرہ وغیرہ یہ الگ ایک موضوع ہے۔ اس سلسلہ کو روکنا چاہیئے اور اس کے لیے ایک فضا بنانی چاہیئے کہ یہ لعنت جو ہمارے معاشرے میں ہندوؤں کی مجاورت سے پیدا ہو گئی ہے۔ جیسا کہ ابھی پراچہ صاحب نے بتایا کہ اس کا بالکل الٹا ہے اسلامی ممالک میں یا سعودی عرب میں ہے۔

جناب گلزار احمد مظاہری صاحب: افغانستان میں بھی لڑکے کو مہر کے لیے کمانا پڑتا ہے اور بڑی خطیر رقم لڑکی والوں کو دینا پڑتی ہے۔

ہاشمی صاحب: مولانا فرماتے ہیں کہ وہ اس کی دوسری انتہا پر بیٹھے ہوئے ہیں یعنی ان کے ہاں یہ ہے کہ اتنا روپیہ لاؤ تب شادی ہو گی۔ اب وہ بے چارہ کما رہا ہے بنا رہا ہے۔ یہ روپیہ حق از روئے سنت لڑکی کا ہے اور وہ کھا جاتے ہیں والدین اس لیے اس پر ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واضح موقف ہمیں اختیار کرنا چاہیئے اور قوم کے لیے اس معاملے میں ایک لائحہ عمل مرتب کرنا چاہیئے ۔

پراچہ صاحب: لوگ بھی بعض اوقات بڑی دلچسپ صورت پیدا کر دیتے ہیں جب جہیز طلب کرنے کا معاملہ ہوتا ہے تو بے شمار چیزیں طلب کرتے ہیں لیکن جب حق مہر کے تعین کا وقت ہوتا ہے تو کہتے حق مہر شرعی ہوگا ۔ اور پھر مقدار بھی ۲/۱ ۳۲ روپے اور آٹھ آنے کہتے ہیں یہ پتہ نہیں کہاں سے انہوں نے نکال لیا ہے ۔ گویا شریعت ساری وہیں اکٹھی ہو جاتی ہے ۔

ریاض الحسن نوری صاحب: حالانکہ وہ کم سے کم رقم ہوتی ہے ۔ ۳۲ تو نہیں اب تو زیادہ ہے اور یہ کم سے کم مقدار ہے اس سے کم پر نکاح حنفیہ کے ہاں نہیں ہو سکتا ۔

ہاشمی صاحب: حدیث لا مهر اقل من عشرة دراهم اس کا مطلب ہے کم سے کم اتنا ہوگا زیادہ پر کوئی پابندی نہیں ہے ۔

پراچہ صاحب: تو پھر کرنسی کا تعین کرنا چاہیئے کہ اس وقت کے دس درہم اب کتنا روپیہ بنتا ہے ۔

جناب ملک نعیم صاحب: اب بھی بعض جگہوں پہ تو درہم ہی کو معیار بنایا جاتا ہے ۔

نوری صاحب: یہ تو کم از کم ہے یعنی غریب سے غریب آدمی کے لیے بھی ہے ۔ کہ اس سے کم میں نکاح ہو ہی نہیں سکتا ۔

حافظ غلام حسین: وہ دس درہم آج بھی کچھ زیادہ نہیں بنتا سوا دو تولے کے لگ بھگ چاندی بنتا ہے اور وہ ستر یا اسی روپے ہی بنتے ہیں ۔

ہاشمی صاحب: محترمہ جناب زینب کا کاخیل بھی موجود ہیں ۔ ان کے خیالات بھی سامنے آنے چاہیئے ۔ جناب محترمہ آپ بھی کچھ فرمائیے ۔

جناب زینب کا کاخیل: نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: محترم برادران السلام علیکم یہ جہیز ایک ایسا موضوع ہے جس کے خلاف امراء بھی لکھ رہے ہیں اور غربا بھی لیکن یہ ہمارے سارے معاشرے میں اور مختلف شعبہ جاتی زندگی میں جو عدم توازن ہے اس کا ایک حصہ جہیز میں بھی افراط و تفریط ہے یہ درست ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیٹیوں کے والدین کے لئے یہ ایک بڑی دقت ہے کہ لڑکے والے بہت سا جہیز مانگتے ہیں لیکن دوسری طرف دیکھا جائے تو لڑکی کے والدین بھی اچھے سے اچھا رشتہ تلاش کرتے ہیں اور وہ لڑکے جن کا عام طور سے اخباروں میں اشتہار دیکھتے ہیں کہ آرمی افسر یا ڈاکٹر یا انجینئر ہیں ان کو منتخب کرتے ہیں —— اب سوال یہ ہے کہ جو لوگ آرمی آفیسر ڈاکٹر، انجینئر بننے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور ایک خاص مقام حاصل کر چکے ہیں ظاہر ہے وہ چاہیں گے کہ ازدواج کے موقع پر اپنے ہم پلہ اور مالی لحاظ سے اپنے ہم رتبہ لوگوں میں رشتہ کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا نقطۂ نظر زندگی کے تمام پہلوؤں میں مادہ پرستانہ ہو گیا ہے۔ رشوت اور سفارش ہر بات میں چل رہی ہے۔ ظاہر ہے رشتہ ناطہ طے کرتے وقت بھی ہم اس نقطۂ نظر سے صرف نظر نہیں کرتے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لڑکی والے رشتہ کی تلاش میں ہوتے ہیں تو رشتہ کروانے والی عورتیں جو ہیں وہ ایک لمبی چوڑی فہرست ساتھ لئے ہوتی ہیں کہ ہم یہ اشیاء جہیز میں دیں گے جب رشتہ طے ہو جاتا ہے تو وہ فہرست پوری نہیں ہو سکتی تو پھر والدین شور مچانے لگتے ہیں کہ ہم سے اس بات کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ اس بات کا مطالبہ کیا جا رہا ہے یہ صورت حال میرے جاننے کی ہے اور خود ہمارے ساتھ کئی جگہ بیتی ہے کہ رشتہ طے کرتے وقت کافی وعدے وعید کئے اور بعد میں پورے نہ کئے گئے۔ رہا یہ معاملہ کہ جہیز پہ پابندی لگا دی جائے تو آپ لوگ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں میں تو ایک کم علم انسان ہوں کہ اسلام میں پابندی کا رجحان کم سے کم ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے زیادہ سے زیادہ عمل پر اکسانے کا کام لیا گیا ہے۔ یہ پابندیاں تو . . . حکومت کے اوپر مزید ایک ناجائز بار ہیں اسلام میں کہاں لکھا ہے کہ ہر چیز پر پابندی ہے۔ جب دولت کی پابندی نہیں تو پھر جہیز کی پابندی کیسے ہو گی۔ یہ کہاں لکھا ہے لڑکی کو جہیز زیادہ نہ دیا جائے یا کم نہ دیا جائے۔ اسراف پر تو پابندی ہے لیکن ساری زندگی میں اسراف پر پابندی ہے یہ بڑی عجیب بات ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں اسراف سے کام لیں اور صرف جہیز پر پابندی عائد کریں۔ خدارا جہیز کے معاملے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قانونی پابندی نہ لگوائیے۔ ایک تو یہ شہری حقوق پر ناجائز پابندی ہے دوسرا آج چار ہزار پانچ
یا چھ ہزار روپے میں کیا جہیز بنا سکتے ہیں عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ جب مارشل کے زمانے میں حکومت
نے سخت پابندیاں عائد کیں تو دیکھا گیا ہے کہ شادی میں شمولیت کے لیے آنے والی خواتین تو
لاکھوں روپوں کے زیور اور لباس پہن کے آئی ہیں اور دلہن بے چاری پولیس کے ڈر کے مارے
ننگی بچی بیٹھی ہے اور اس کا سامان چھپایا جا رہا ہے کچھ ادھر اور کچھ ادھر۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ زندگی میں
ایک ہی دفعہ موقع آتا ہے یا تو یہ ہو کہ کوئی بھی پہن سکے نہ آئے اور زیور گھر میں بھی کوئی نہ پہنے۔ اسلام
میں تو یہ ہے کہ سونا چاندی گھر میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ جب ہم سونا چاندی گھر میں رکھ رہے ہیں تو
پھر ایسے موقع پر سرکاری پابندی خدارا نہ لگوائیں یہ بالکل غیر اسلامی ہوگا اور حکومت کے کندھوں
پر زائد کام ہوگا اور پولیس کو رشوت کا موقع ملے گا۔ اس سے لڑکی کے والدین اور متعلقین میں
بدمزگی پیدا ہوگی۔ اب جہیز کے بارے میں جیسا کہ پابندی ہے کہ ۰۰۰ ۷ سے زیادہ کے تحائف
نہ ہوں۔ لینے والے تو لیتے ہیں اور دینے والے دیتے ہیں ہوتا یہ ہے کہ وہ شادی کے دن سے
پہلے ہی سسرال والوں کے گھر پہنچا دیا جاتا ہے جس نے بیٹی کو رخصت کرنا ہے وہ ہر صورت چوری
چھپے دے گا آپ نے دیکھا ہوگا اگلے دن اخبار میں ایک کارٹون تھا کہ رات کی تاریکی میں
ٹرک سامان لے کے جا رہا ہے جہیز کا کہ پولیس نہ دیکھ لے اور یہ زیادہ کا نہ ہو تو میرا مطلب یہ
ہے کہ پوری اصلاح کرنی چاہیئے اس میں لڑکی کے والدین کو بھی حصہ لینا چاہیئے اور معاشرہ
کے عام افراد کو بھی اس میں بھرپور کردار ادا کرنا چاہیئے۔ لڑکی والوں کا بھی قصور ہے کہ رشتہ کرتے
وقت وہ اتنے لمبے چوڑے وعدے کیوں کرتے ہیں۔ وعدے نہ کریں اور جس قسم کی ان کی توفیق
ہے اور جیسا رشتہ ملتا ہے رشتہ کر لیں وہ کیوں ڈاکٹر۔ انجینئر اور آرمی آفیسرز کو پھانستے ہیں۔ یہ
تو آپ سب کو معلوم ہے کہ شادی ایک سول کنٹریکٹ ہے اور اس میں فریقین شرائط طے کرنے
میں آزاد ہیں۔ جو شخص زیادہ حسن و جمال۔ مال کوٹھیاں کاریں مانگتا ہے وہاں رشتہ نہ کریں آزاد
ہیں کوئی مجبوری تھوڑی ہے۔ قربانی دینے سے اور دونوں طرف سے فکر کرنے سے جہیز کا
مسئلہ حل ہوگا اور جب ہماری ساری زندگی کا نقطۂ نظر صحیح ہوگا تو تب مسئلہ حل ہوگا۔ آپ دیکھیے
کہ ایک ایک بیگم کے ہاتھ میں دس دس ہزار روپے کی ایک ایک انگوٹھی ہوتی ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لاکھوں روپے کے دیگر زیور پہنے پھر رہی ہیں۔ ایسے لوگوں پر آپ سات ہزار روپے کے جہیز کی پابندی لگائیں گے تو یہ مضحکہ خیز نہیں ہوگا؟ اور کیا یہ قابلِ عمل ہوگا؟ ساری زندگی میں جن لوگوں نے سمگلنگ اور ناجائز ذرائع سے دولت جمع کی ہے پہلے اس کو ٹھیک کیجئے اور تقسیمِ دولت کو متوازن کیجئے۔ لوگ حلال کے ذریعے سے کمائیں۔ اور قناعت کریں جہیز کا مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔

ہاشمی صاحب: اب میں مولانا منظاہری صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ جہیز اور دیگر عنوانات پر اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔

اما بعد: جناب صدر اور معزز سامعین! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے یہ مذاکرہ اسلامی معاشرے میں عورت کی حیثیت کے سلسلے میں ہو رہا ہے۔ یہ موضوع ایک بڑا ہی وسیع الاطراف موضوع ہے جس پر سیر حاصل بحث تو شاید کئی مجالس مذاکرہ کی متقاضی ہو۔ مجھے اس وقت اس مسئلہ کے جس پہلو پر بات کرنا ہے وہ ہے رسمِ جہیز اور عورتوں کی تعلیم و تربیت۔

لفظ جہیز جو ہمارے ہاں رائج ہے، عربی لفظ جہاز کا املا ہے جس کے معنی اس ساز و سامان کے ہیں جو کسی کو دے کر رخصت کیا جائے اور یہ لفظ دلہن، مسافر اور میت وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لفظ تجہیز اسی سے ماخوذ ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ... یعنی جب انہیں ان کا ساز و سامان دے کر رخصت کیا بیٹیوں کی شادی پر ان کے والدین جو ساز و سامان دے کر انہیں سسرال کو رخصت کرتے ہیں، اسے بھی اسی مناسبت سے جہیز کہا جاتا ہے۔ جہیز ایک قدیم رسم ہے اور تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ اکثر اقوام میں رائج ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا آغاز بڑے ہی نیک جذبے سے ہوا۔ اس کو رواج دینے والوں کا مقصد یہ تھا کہ بیٹی کو اپنا نیا گھر بسانے کے لیے کسی مشکل اور دقت کا سامنا نہ ہو گھریلو ضروریات اسے رخصت کرتے وقت اس کے ساتھ کر دی جائیں تاکہ وہ آسانی کے ساتھ اپنی نئی زندگی کا آغاز کر سکے اور یہ وہ مقصد ہے جس کے ارفع و اعلیٰ ہونے میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں۔ لیکن جیسا کہ ہمارے ہاں کی اکثر رسوم کا حال ہے کہ چاہے ان کی ابتداء کتنے ہی اعلیٰ مقاصد سے کی گئی ہو۔ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ان میں بتدریج اسراف، نمائش، تکلیف اور ناروا پابندیاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آتی چلی جاتی ہیں تا آنکہ وہ پورے معاشرے کے لیے کئی ایک مسائل کھڑا کر دیتی اور آخر کار اس کے لیے زنجیر پا بن جاتی ہیں۔ کچھ ایسا ہی حال رسم جہیز کا ہوا ہے۔ ہمارے ہاں کے رئیسوں، نوابوں سود خواروں، رشوت ستانوں نے اپنی بے محنت اور ناجائز ذرائع سے جمع کی ہوئی دولت کی نمائش اپنی بیٹیوں کی شادیوں پر جہیز وغیرہ کی شکل میں اس بے حیا طریقے سے کی کہ متوسط الحال طبقے کے لوگ بھی ان کے نقش قدم پر چل نکلے اور اب مشرق وسطیٰ اور یورپین ممالک سے آنے والی دولت نے اس نشہ کو دو آتشہ کر دیا۔ جہیز کی شکل میں اپنی دولت کی نمائش اور اظہار برتری کی ایک دوڑ لگ گئی ہے ہر شخص دوسرے سے بازی لے جانے لگا۔ جہیز صرف اشیائے ضرورت تک محدود نہ رہا بلکہ جہیز کے نام پر سامان تعیش کے انبار لگنے شروع ہو گئے جن کے مول پر لڑکوں کے رشتے خریدے جانے لگے۔ بازار مصاہرت میں قیمتوں کے ان بڑھتے نرخوں کو دیکھ کر لڑکے والوں کی طرف سے ھل من مزید کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جن کے پاس وسائل تھے انہوں نے تو اپنی بیٹیوں کو اپنے گھر سے رخصت کر دیا۔ بپتا ان متوسط الحال اور غریب لوگوں پر آ پڑی جن کے پاس اپنی لخت ہائے جگر کے ہاتھ پیلے کرنے کے لیے اتنا دھن دولت نہ تھا کہ وہ لڑکوں والوں کی مانگوں کو پورا کر سکیں اور یوں ان کی جوانیوں کو گھن لگنا شروع ہوا اور وہ اپنے والدین کی چوکھٹ پر بیٹھے بیٹھے بڑھاپے کی جانب بڑھنے لگیں۔ معاملہ یہیں تک محدود نہ رہا۔ اخلاقی لحاظ سے بھی اس کے ہولناک نتائج نے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

اس کا ردعمل قدرتی بات تھی۔ چنانچہ غالباً انہی نتائج کو دیکھ کر اس کے خلاف آواز اٹھائی جانے لگی ہے۔ اگرچہ یہ صدا بہت دھیمے سُروں میں ہے۔ اور جب تک ہمارے ہاں دولت کی فراوانی اور فکر و دانش کی قلت ہے، شاید اس وقت تک یہ صدا صدا بصحرا ہی ثابت ہو۔ کچھ لوگ اسے بدعت و حرام قرار دے کر اس کا کلیتاً استیصال چاہتے ہیں لیکن ہمارے خیال میں اگر پہلی قسم کے لوگ افراط کا شکار ہیں تو یہ دوسرے حضرات تفریط میں مبتلا ہیں

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا جہیز کا آغاز ایک نیک مقصد اور بلند جذبے سے ہوا۔ وہ مقصد اور وہ جذبہ آج بھی والدین کے دلوں میں موجزن ہے۔ اگرچہ اس میں غلو اور اسراف آ گیا ہے۔ تاہم جہیز میرے خیال میں فی نفسہ نہ بدعت ہے اور نہ ہی حرام۔ حضرت علیؓ نے جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم سے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے رشتہ کے لیے استدعا کی تو آپ نے پوچھا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے کوئی چیز موجود ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک گھوڑا اور ایک زرہ ہے۔ آپ نے فرمایا، گھوڑا تو مجاہد کے لیے ضروری ہے۔ زرہ کو بیچ لو۔ چنانچہ اسے تقریباً ۴۰۰ درہم میں فروخت کر دیا گیا اور یہی چار سو درہم حضرت فاطمہؓ کا مہر قرار پایا۔ نکاح کے بعد جب رخصتی کا وقت آیا تو رسول اکرم صلّے اللہ علیہ وسلّم نے انہیں گھریلو ضروریات کی چند اشیاء جہیز میں دے کر رخصت کیا۔ یہ جہیز کتنا ہی سادہ مختصر اور بظاہر معمولی کیوں نہ ہو بہرحال تھا تو جہیز ہی۔ اس لئے اسے بدعت و حرام قرار دینا نہ صرف انتہا پسندی ہے بلکہ والدین اور ان کی بیٹی کے نازک و لطیف جذبات کو مجروح کرنے کے مترادف بھی ہے۔ کوئی ماں باپ چاہے وہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو، ہرگز پسند نہیں کرے گا کہ ایسے وقت میں جب کہ ان کی جگر گوشہ ان کی چوکھٹ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے الگ ہو رہی ہے وہ اسے خالی ہاتھ لٹکتی باہوں کے ساتھ باہر دھکیل دیں۔ اسی طرح ہر لڑکی کی بھی یہ قدرتی خواہش ہوتی ہے کہ وہ جن ماں اور باپ کی گود میں پلی بڑھی ہے، ان کی کچھ نشانیاں وہ اپنے ساتھ لے کر جائے جن کو دیکھ دیکھ کر وہ ان میٹھی یادوں کو تازہ رکھ سکے۔

یوں بھی بیٹی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے گھر سے رخصت کرتے وقت اسے خالی ہاتھ بھیجنا، اس حرمت نسوانیت کے خلاف ہے جس کا اسلام داعی اور علمبردار ہے اور جسے اسلام نے اپنے معاشرتی احکام میں ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے۔ میاں اور بیوی کا تعلق کتنا ہی مضبوط و مستحکم کیوں نہ ہو بہرحال اس میں وہ شدت و نزاکت نہیں ہوتی جو والدین اور بیٹی کے باہمی تعلق خاطر میں ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ میاں جب اپنی بیوی کو اپنے سے علیحدہ کر دے (طلاق وغیرہ دے کر) تو اس کے لیے بھی مناسب نہیں کہ اسے گھر سے بیک بینی و دو گوش نکال باہر کرے بلکہ حکم ہے کہ مَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ۔

اور آگے چل کر فرمایا کہ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (البقرہ)

جب میاں کے لیے لازم ہو جاتا ہے کہ وہ بیوی کو گھر سے رخصت کرتے وقت کچھ نہ کچھ سامان دے کر رخصت کرے، تو باپ تو بہرحال باپ ہے۔ اس کے جذبۂ پدری کا بھی تقاضہ ہے اور حرمت نسوانیت بھی اس کی مقتضی ہے کہ وہ اپنی بساط کے مطابق، اسراف و تبذیر میں پڑے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بغیر، اسے کچھ نہ کچھ نہ دے کر گھر سے رخصت کرے۔

مگر میرے اس کہنے سے ہرگز یہ مطلب نہ لیا جائے کہ میں اس تمام اسراف تکلف اور نمائش کو بھی جائز سمجھتا ہوں جو آج کی رسم جہیز کا خاصہ بن چکا ہے اور جس سے کئی ایک معاشرتی و اخلاقی برائیاں جنم لے رہی ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ہمارے اقتصادی معاشی حالات کو مدنظر رکھ کر جہیز کی ایک حد مقرر کر دی جائے اور اس کی سختی سے پابندی کروائی جائے اور اس کی خلاف ورزی کے تمام رخنے بند کر دیئے جائیں اور اس سلسلے میں امراء اور حکمران اپنی بہتر مثالیں پیش کریں۔ پھر اس اسراف و نمائش کے خلاف آواز اٹھانے والوں کی آواز صرف محراب و منبر تک یا اخباری صفحات تک محدود نہ رہے۔ بلکہ اگر وہ سچے دل سے اس برائی کا انسداد چاہتے ہیں تو انہیں لازم ہے کہ اس کے خلاف ایک بھرپور تحریک چلائیں۔ ہر دروازے پر دستک دیں۔ مختلف برادریوں کے صاحب اثر و رسوخ اور سرکردہ اصحاب کو قائل کر کے ان کی وساطت سے ہر برادری کو اس کا پابند بنایا جائے۔ محلہ کی سطح سے شروع کر کے اس تحریک کو ملک گیر پیمانے پر پھیلا دیا جائے۔ صرف باتیں بنانے مقالے پڑھنے اور مضامین لکھنے سے کچھ نہ ہو گا۔

رہا مسئلہ عورتوں کی تعلیم و تربیت کا، تو میرے خیال میں اسلام نے علم کی فضیلت پر زور دیا ہے اور اس کے حصول کی جس طرح ترغیب دی ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مسلمان مردوں اور خواتین نے خیر القرون سے لے کر صدیوں تک مغرب و مشرق میں اپنی علمی برتری کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ دینی و دنیوی علوم کے بیش بہا خزانوں کی حفاظت کی اور ان میں اضافے کئے۔ ان حقائق کے پیش نظر اس بارے میں تو دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ تعلیم جس طرح مرد کے لیے ضروری ہے، اسی طرح عورت کے لیے بھی ہے۔

تاہم ممکن ہے بعض حضرات عورتوں کو اعلیٰ یا مختلف علوم و فنون کی تعلیم و تربیت دلانے میں متردد ہوں۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ مرد و عورت معاشرہ کے دو ایسے جزو لاینفک ہیں کہ ان میں سے کسی کو نظرانداز کر کے یا اسے پس ماندہ و کمزور رکھ کر معاشرہ کو مضبوط و مستحکم بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی صحیح معنوں میں اسلامی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مرد و عورت کی جسمانی صلاحیتوں میں واضح امتیاز موجود ہے، ان کے مزاج و نفسیات بھی مختلف ہیں۔ اسلام جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاکیزہ و اخلاقی لحاظ سے ارفع و اعلیٰ معاشرے کی تشکیل دینا چاہتا ہے اس میں مردوں اور عورتوں کے بلا ضرورت آزادانہ اختلاط کی گنجائش نہیں لیکن بہت سے علوم و فنون ایسے ہیں کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی ان کی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔ کیا وہ معاشرہ صحیح معنوں میں اسلامی معاشرہ کہلا سکتا ہے جہاں عورتوں کو نہ صرف عام بیماری کے لیے بلکہ خصوصی نسوانی امراض کے معالجہ کے لیے بھی مرد ڈاکٹروں کے پاس جانا پڑے جبکہ امر واقعی یہ ہے کہ ہمارے تقریباً تمام ہسپتالوں میں اس وقت وضع حمل تک کے لیے مرد ڈاکٹروں سے اپریشن کروانے پڑتے ہیں۔ حجاب و ستر کا پابند مسلمان تو ایک طرف کیا کوئی عام غیرت مند انسان بھی اسے بخوشی قبول کر سکتا ہے۔ تو کیا پھر ضروری نہیں کہ عورتیں بھی طبی تعلیم حاصل کریں تاکہ وہ اپنی ہم جنسوں کا علاج کر سکیں اور انہیں اجنبی مردوں کے سامنے بے آبرو نہ ہونا پڑے۔ اسی پر دوسرے ان تمام علوم و فنون کو قیاس کر لیجیے جو عورتوں کے لیے اتنے ہی ضروری ہیں جتنے مردوں کے لیے۔

اگر کسی کو خیر القرون سے خواتین کی ان گوناگوں سرگرمیوں کی مثالیں معلوم کرنی ہوں تو ہماری تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند ایک پیش خدمت ہیں:۔

جنگی خدمات

حضرت ام عمارہ نے غزوۂ اُحد میں حضورؐ کا دفاع کرتے ہوئے ابن قمیہ کا وار اپنے کندھے پر سہا اور پھر بڑھ کر خود اس پر بھی وار کیا جنگ مسیلمہ میں انہوں نے سترہ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا حضرت اُمّ سلیم خنجر سے مسلح ہو کر جنگ حُنین میں شریک ہوئی۔ جنگ یرموک عہد فاروقی میں ہوئی۔ حضرت اسماء، حضرت اُم ابان، اُم حکیم، خولہ اور اُم المؤمنین جویریہ نے بڑی دلیری سے جنگ کی اور حضرت اسماء نے ۹ رومیوں کو قتل کیا۔ ۲۸ھ میں جزیرہ قبرص پر حملہ کرنے والی فوج میں اُمّ حرام شریک تھیں۔

زخمیوں کی مرہم پٹی، انہیں پانی پلانا، زخمیوں یا شہداء کو میدان جنگ سے کسی جگہ منتقل کرنا، قبریں کھودنا، فوج کی ہمت بڑھانا عورتوں کے وہ کارنامے ہیں جن سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علمی خدمات :- اس میدان میں اُم المومنین حضرت عائشہ کا نام سرِ فہرست ہے کئی ایک صحابہ اور بڑے بڑے تابعین کو ان کا تلمذ حاصل ہے۔ اس شعبہ میں عورتوں کی خدمات اتنی واضح ہیں کہ میں ان کے ذکر کو تحصیل حاصل سمجھتا ہوں۔

ڈاکٹری اور سرجری میں رفیدہ اسلمیہ، امّ عطاع، امّ کبشہ، حمنہ بنت جحش، معاذہ، لیلیٰ، ام زیاد ربیع بنت معوذ، اور اُم سلیم کو مہارت حاصل تھی۔ رفیدہ کا اپنا ایک جراح خانہ (اپریشن تھیٹر) تھا جو مسجد نبوی کے قریب واقع تھا۔

پیشہ وارانہ خدمات :- اسد الغابہ اور مسند احمد بن حنبل کی متعدد روایات سے ثابت ہے کہ کئی صحابیات کپڑا بنتی تھیں۔ مدینہ کی انصار عورتیں کاشت کاری کرتی تھیں مہاجر عورتوں میں سے حضرت اسماء کا یہی مشغلہ تھا (صحیح بخاری) حضرت سودہ جانوروں کی کھالیں درست کرتی اور انہیں دباغت دیتی تھیں۔ حضرت زینب بھی دستکار تھیں۔ حضرت خدیجہ کی تجارت شام تک پھیلی ہوئی تھی خولاء، ملیکہ، ثقفیہ اور بنت مخربہ عطر کی تجارت کرتی تھیں۔

میں نے خواتین کی مختلف سرگرمیوں کی جو مثالیں ذکر کی ہیں ان سب کا تعلق خیر القرون سے ہے۔ جو ہم سب کے لیے نہ صرف مستند ہے بلکہ اس میں ہمارے لیے اسوہ حسنہ بھی ہے بعد کے ادوار میں اگرچہ خواتین کی ایسی ہی خدمات سے تاریخ کے صفحات لبریز ہیں مگر ان کے پیش کرنے سے میں نے اس لیے گریز کیا ہے کہ ان کو نمونہ بنانے میں شاید کسی کو پس و پیش ہو۔ بہر حال ان امور میں شرعی پابندیوں کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ۔

ہاشمی صاحب: اور آپ حضرات میں سے کوئی صاحب مولانا مظاہری نے جو کچھ فرمایا ہے اس پہ کوئی سوال ہو تو پیش کریں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نوری صاحب: مولانا (مظاہری) صاحب کی گفتگو کے سلسلہ میں عرض کروں گا کہ پاکستان بننے سے پہلے پنجاب کے میڈیکل کالج کے طلبہ مڈوائفری کی ٹریننگ کے لیے مدراس جایا کرتے تھے چونکہ پنجاب یا شمالی ہند کے اندر کوئی عورت اس کے لیے تیار نہیں ہوتی تھی کہ اس قسم کے علاج کے دوران کوئی مرد موجود رہے۔ اس لیے یہاں کے طالب علم مدراس جایا کرتے تھے۔ یعنی ہندو سکھ اور عیسائی کوئی عورت اس کے لیے تیار نہ ہوتی تھی۔ اب یہ حال ہوگیا ہے کہ مڈوائفری میں جتنے بڑے بڑے ڈاکٹر ہیں ان میں مردوں کے نام آتے ہیں۔ یہ بالکل تضاد ہے قبل از تقسیم کا اور پاکستان کے بن جانے کے بعد کا

مولانا مظاہری صاحب: نہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ عورتیں عورتوں سے اپریشن کروانا نہیں چاہتی ہیں۔ دراصل وجہ یہ ہے کہ ان کو عورتوں پر اعتماد نہیں ہے۔ اور لیڈی ڈاکٹروں میں مہارت کی کمی ہے وہ مہارت پیدا کریں۔

حافظ غلام حسین: نہیں حضرات بعض ہسپتالوں میں تو ماہر خواتین ڈاکٹر ہیں۔ اور لیڈی ڈاکٹر سرجن بھی ہیں۔ بعض ہسپتال تو ایسے ہیں جن میں صرف خواتین ہی کام کرتی ہیں۔ اور خواتین کے شعبہ میں کوئی مرد ڈاکٹر کام نہیں کرتا ہے۔ بہرحال تعلیم کے سلسلہ میں جو مخلوط تعلیم کا سلسلہ ہے حکومت کی طرف سے ایک مجبوری پیش کی جاتی ہے کہ ہمارے ذرائع اتنے نہیں کہ خواتین کے لیے الگ تعلیمی ادارے بنائے جائیں۔ مثلاً خواتین کی الگ یونیورسٹی بنانے کا بل ابھی تک لٹکا ہوا ہے اور پاس نہیں ہو پا رہا۔

مولانا مظاہری صاحب: نہیں ذرائع کی تو کمی نہیں۔ خواتین ڈویژن کی اسٹیبلشمنٹ پر دس کروڑ روپے صرف کئے ہیں اور کئی ایک بے جا مصارف حکومت کرتی ہے۔ کوئی ذرا سی بات ہوتی ہے تو نیا محکمہ کھل جاتا ہے۔

نوری صاحب: نہیں کچھ مجبوریاں بھی ہوتی ہیں مثلاً گورنمنٹ کالج لاہور ہے اس میں فزکس کیمسٹری اور بیالوجی کا ایم ایس سی ہو سکتا ہے، اس کے لیے بڑی لیبارٹری کی ضرورت ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن اس کے برعکس اسلامیات اور عربی کے لیے کسی لیبارٹری کی ضرورت نہیں ہے۔ اکنامکس میں بھی اس طرح دوسرے علوم وغیرہ کی ایم اے کلاس تو خواتین کے کالجوں میں ہو سکتی ہیں۔ اب دیکھیئے ایم اے انگریزی کا بندوبست تو لاہور کالج میں ہے لیکن اسلامیات۔ عربی یا دیگر آرٹس کے مضامین کے ایم اے کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ مثال کے طور پر یونیورسٹی میں ایم ایس سی کے لیے لیبارٹریز اور گورنمنٹ کالج میں بھی ہیں تو ان میں سے کسی ایک کو خواتین کیلئے مختص کیا جا سکتا۔ اور اخراجات بچائے جا سکتے اصل بات یہ ہے کہ اخراجات کا تو صرف بہانہ ہے۔

حافظ غلام حسین: مخلوط تعلیم کے دیگر منافع یا ضرر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کیا یہ مفید چیز ہے یا مضر ہے۔

نوری صاحب: مخلوط تعلیم کے ضرر تو اتنے ہیں کہ بیان سے باہر ہیں باقی ایک چیز عرض کر دوں امریکہ میں کئی ایک یونیورسٹیاں ایسی ہیں جس میں صرف لڑکیاں ہی پڑھتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آج سے پندرہ بیس برس قبل جب میں نے یہ بات پڑھی کہ سٹالن نے ایک زمانے میں مخلوط تعلیم بند کر دی تھی تو مجھے یقین نہیں آیا تھا۔ جب سٹالن نے یہ اقدام کیا تھا وہاں کے اخبارات اور رسائل نے مخلوط تعلیم کے نقصانات پر مضامین چھاپنے شروع کر دیئے۔ مخلوط تعلیم کو ختم کرنے کا آڈر پاس ہو گیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اگر سٹالن اسکو ختم کر سکتا ہے تو ہم کیوں نہیں ختم کر سکتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر سٹالن مخلوط تعلیم کو برا کہے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر کوئی مسلمان کہہ دے تو اس پر اعتراض ہونے لگتے ہیں۔

مظاہری صاحب: دیکھیے تاکہ عورتیں کہتی ہیں کہ مرد ظلم کرتے ہیں۔

نوری صاحب: عام خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ مغرب میں عورت کی بڑی عزت ہے حالانکہ بات بالکل اس کے برعکس ہے مغرب میں عورت کی بالکل عزت نہیں۔ وہاں تو یہ حال ہے کہ ایک لڑکی کے ساتھ چالیس آدمیوں نے زیادتی کی اور اس کو سڑک پر گھسیٹ کر لائے اور چالیس آدمی کھڑے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سڑک پر دیکھ رہے ہیں وہ چیخ رہی مدد کے لیے پکار رہی ہے لیکن کوئی ایک شخص بھی اسکی مدد کو نہیں آتا یہ حال ہے مغرب میں عورت کا۔ اور عورتوں کی تنخواہیں مردوں سے نصف ہیں۔ مثلاً اگر ایک معاشیات کا لیکچرار مرد ہے تو اس کی تنخواہ معاشیات کی خاتون لیکچرار سے ڈبل ہوگی۔ اول تو بڑی بڑی پوسٹیں عورتوں کو دی ہی نہیں جاتیں۔ لیکن اگر کہیں کوئی بڑی پوسٹ عورتوں کو مل بھی جاتی ہے تو عورت کو معاوضہ نصف دیا جاتا ہے۔

مظاہری صاحب: میں عرض کر رہا تھا کہ یہ جو عورتیں آواز نکالتی ہیں کہ مرد عورت پر ظلم کر رہا ہے میں تو سمجھتا ہوں کہ خود عورت اپنے اوپر ظلم کر رہی ہے۔ عورت اپنی حیثیت صنفی نظر میں رکھے اور اپنے وظائف حیات کو سامنے رکھے تو وہ اتنا بوجھ کیسے اٹھا سکتی ہے جتنا وہ اٹھانے کا تقاضا کرتی ہے مردوں کی مجالس میں جانا ادھر بھاگنا ادھر بھاگنا۔ اس کی اتنی گھریلو پریشانیاں ہیں کہ ان سے انکار نہیں کر سکتی۔ اگلے دن میں ایک اخبار میں پڑھ رہا تھا کہ عورتیں کہتی ہیں مرد اب بچے جنیں

حافظ غلام حسین: یہ تو ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ ایسا امکان ہے۔

حافظ محمد سعد اللہ صاحب: اسلام میں کسی غیر محرم مرد کا کسی غیر محرم عورت سے یا کسی غیر محرم عورت کا کسی غیر محرم مرد سے تعلیم حاصل کرنا۔ اس کی کیا حدود قیود ہیں اور یہ کہاں تک جائز ہے؟

مولانا مظاہری صاحب: پہلی بات تو یہ ہے کہ تعلیم و تربیت مرد سے مرد اور عورت سے عورت حاصل کرے تو یہ تو سیدھی بات ہے لیکن اگر مجبوری ہو اور علم ضرور حاصل کرنا ہو تو پردے کی حدود کے اندر رہتے ہوئے کر سکتی ہیں۔ ازدواج مطہرات پردے میں رہ کر مردوں کو پڑھاتی تھیں۔

نوری صاحب: بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ کسی عزیزہ کا دودھ پلوا دیا تاکہ پردہ کی قید ختم ہو جائے۔ میں پڑھ کے حیران ہوا کہ علامہ سیوطی کے اساتذہ میں آٹھ نو عورتوں کے نام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آتے ہیں۔ پہلے زمانے میں تو ایسی قابل عورتیں ہوتی تھی آج مسلمانوں میں ایسی قابل عورتیں شاذ و نادر ہی ہیں۔

مظاہری صاحب: مولانا حضرت فاطمہ کے معاملے پر صراحت نہیں ہے کہ آپ ؐ نے فاطمہ کو بالکل کچھ نہیں دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ شریعت کے عام اقوال میں بھی یہ متع نہیں کیا گیا کہ مت دو۔ یہ تو حضور کا ایک عمل ہے اس کی بابت مولانا ہاشمی صاحب نے بڑا خوبصورت جواب دے دیا تھا اس کی طرف آپ نے توجہ نہیں کی کہ حضرت علی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر ایک تھا اس لیے حضرت علی کا مال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مال ایک تھا۔ تو اگر اس وقت اتفاقاً وہ مال آ گیا اور آپ نے اٹھا کر دے دیا تو گویا وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ہی مال تھا۔

نوری صاحب: نہیں دیکھیے نا زرہ کو باقاعدہ فروخت کروا دیا گیا زرہ تو بحالت جنگ کام کی چیز ہے لیکن اسے بکوا کر اس سے یہ سامان منگوایا گیا اور یہ کہ وہ حضرت علی کی تھی

ہاشمی صاحب: مولانا (مظاہری) اس کی تو کوئی روایت نہیں ملتی کہ وہ زرہ مشترک تھی ہر روایت میں یہی ملتا ہے کہ وہ زرہ حضرت علی کی تھی۔

مظاہری صاحب: فرض کیا کہ وہ زرہ حضرت علیؓ کی ہی تھی اور بیچی گئی لیکن مہر تو عورت کی ملکیت ہوتا ہے اور نکاح کے بعد ملتا ہے لیکن یہاں تو ابھی نکاح ہوا ہی نہیں۔

نوری صاحب: کئی مرتبہ مہر پیشگی بھی ادا کر دیا جاتا ہے۔

ہاشمی صاحب: مہر معجل بھی ہوتا ہے۔

مظاہری صاحب: وہ بھی تو نکاح ہونے پر ہوتا۔ یہاں تو ابھی نکاح ہوا ہی نہیں۔ دوسری بات جیسے آپ حضرات کا خیال ہے اگر ایسا ہوتا تو حضرت سعید بن مسیب کی طرح حضور بھی فاطمہ کا ہاتھ پکڑ کر علی کو دے دیتے اور کہتے لے جاؤ فاطمہ کو لیکن یہاں تو خرید وایا گیا۔ منگوایا گیا۔ بھیجا گیا۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ کچھ نہ کچھ دینے کا سلسلہ ہے آگے رہ گئی یہ بات کہ وہ مال رسول اللہ کا تھا یا حضرت علی کا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نوری صاحب: یہی تو اہم نکتہ ہے۔

حافظ غلام حسین: اس میں دیکھنے کی بات یہ بھی ہے کہ وہ سامان کہیں بھیجا نہیں گیا کیونکہ حضرت علی کا کوئی الگ مکان تو تھا ہی نہیں۔ اسی گھر میں حضرت عائشہ صدیقہ کا حجرہ تقسیم کر دیا گیا اور اسی گھر میں وہ سامان رہا۔

مظاہری صاحب: بھئی ایک تقریب تو نبی صلی اللہ علیہ نے کی تا۔

حافظ غلام حسین: ہاں ضرور کی۔

ہاشمی صاحب: حضرت عائشہ کی بھی تو تقریب ہوئی ہے۔ انصار کی عورتیں جمع ہوئیں۔ آپ کو دلہن بنایا گیا۔ لیکن یہ کہیں نہیں ملتا کہ سیدنا صدیق اکبر نے رخصتی کے وقت کچھ دیا ہو یا دیگر ازواج مطہرات۔ لیکن آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ بیوہ تھیں۔ یا دیگر بنات صالحات کے نکاح ہوئے ہیں حضرت زینب کے بارے میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ دور جاہلیت میں نکاح ہوا لیکن ام کلثوم اور رقیہ کے جہیز کے بارے میں ہی تو کوئی روایت نہیں ملتی حضرت عمر فاروق کی شادی ہوئی حضرت ابوبکر صدیق کی شادی ہوئی کہیں کوئی اثر ایسا نہیں ملتا کہ جہیز کا معاملہ ہوا ہو۔

مظاہری صاحب: میرا یہ خیال نہ تھا کہ کچھ حضرات جہیز کا سرے سے انکار کرتے ہیں اب یہ بات سامنے آئی ہے اب اس کے بارے میں انشاء اللہ مطالعہ کروں گا۔

نزہت فردوس صاحبہ: میرے پاس نہ تو کوئی حوالہ ہے اور نہ ہی میں کوئی صلاحیت رکھتی ہوں کہ حوالے سے بات کروں لیکن ایک بات جو فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح کے سلسلہ میں کی جا رہی ہے تو گذارش ہے کہ اس وقت کے مسلمانوں میں جذبہ ایثار تھا اور وہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک تھے۔ مواخات کے وقت نبی کریم نے حضرت علی کو اپنے ساتھ رکھ لیا تھا اس لیے اب یہ بات کوئی معنی نہیں رکھتی یہ وہ زرہ حضرت علی کی تھی کیونکہ مواخات کے بھائی چارہ کے بعد اس گھر کی تمام چیزیں حضرت نبی کریم اور حضرت علی کی مشترک تھیں۔ اس کے باوجود میں یہ جانتی ہوں کہ اسلام میں جہیز دینا کوئی لازمی چیز نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن مسلمان ہونے کے لیے تو یہ ضروری ہے کہ ہم اسلام میں کلیتہً داخل ہو جائیں اسلام کو جزوی طور سے قبول کرنے سے اس کی افادیت سے کما حقہٗ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ جب ہم پوری طرح اسلام پر عمل کریں گے تو پھر عورت میں یہ احساس محرومی نہ رہے گا اور نہ تو وہ عدالت میں گواہی پوری کرنے کے چکر میں پڑے گی اور نہ اسے دیت پوری کروانے کا جنون سوار ہوگا میں تو سمجھتی ہوں کہ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اسلام کو جزوی طور پر قبول کر کے مصائب میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور اس کا حل صرف یہ ہے کہ ہم اسلام کو کلیتہً قبول کر کے اس پر عمل کریں۔

ہاشمی صاحب: محترمہ آپ نے بہت اچھے خیالات کا اظہار فرمایا اور بہت بنیادی باتیں بیان فرمائیں۔ لیکن ایک چیز قابل غور یہ بھی ہے کہ بہت سے وہ عناصر جو درپردہ تو اسلامی قانون کے لیے رکاوٹ بنے ہوتے ہیں اور بظاہر کہتے ہیں کہ اسلامی قانون کا مکمل طور سے نفاذ ہونا چاہیئے تب عمل کریں گے۔ یہ کہہ کر ہم کہیں ان کی تقویت کا باعث تو نہیں بن رہے ہیں۔ اب ہمارے یہاں بہت سی چیزیں اسلامائزڈ ہو چکی ہیں اور بہت سی چیزوں پر کام ہو رہا ہے۔ اور انشاءاللہ آئندہ ہوگا......

نزہت فردوس: ایک سوال طالب علمی کے زمانے میں میرے ذہن میں اٹھتا تھا۔ کہ جب مسلمان کسی ملک میں فاتح کی حیثیت سے جاتے تھے تو وہ نہ وہاں پہلے معاشرہ کی فضا بدلتے تھے اور نہ ہی پروپیگنڈہ کرتے تھے وہ کلیتہً اپنے آپ کو اسلام کا نمونہ بنا کر پیش کرتے تھے تو بتاتے تھے کہ ہمارے اعمال یہ ہیں اسی طرح وہ معاشرہ کی داغ بیل ڈال دیتے تھے۔ وہ یہ نہیں کرتے تھے کہ کبھی نماز پڑھنے کی بات کی کبھی بیکاری میں فرق ڈالا یا کبھی شراب کو بند کر دیا۔ یہ بات طالب علمی کے زمانے سے میری ذہن میں اٹھتی تھی کہ ہم جو جزوی طور سے اسلام کو اپنائے ہوئے ہیں کیا ہم اس طرح کامیاب ہو سکیں گے۔

ہاشمی صاحب: وہ تو آپ نے بہت صحیح بات فرمائی ہے کہ ان لوگوں میں اور ہم لوگوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت فرق ہے۔ ان کے قول و عمل میں کوئی تضاد نہیں تھا اور ہمارے قول و عمل میں تضاد ہے اور جتنی یہ آفتیں ہمارے اوپر آئی ہوئی ہیں یہ سب اسی واسطے ہیں کہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان پر عمل نہیں کرتے تاہم جہاں بھی اسلام گیا اس نے وہاں کے معاشرے اور افراد کو اس قدر متاثر کیا کہ وہاں بہت سے ممالک کی زبان تک بدل دی۔ تہذیب کو بدل دیا تو اگر ہم اولاً آپ مخلصانہ کوشش کریں تو یہاں اسلام مکمل طور پر نافذ ہو جائے گا اب محترمہ خورشید النساء صاحب سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں

مولانا گلزار احمد مظاہری صاحب: نوری صاحب آپ زرہ کے واقعہ کی کوئی اور حکمت تلاش کریں۔

نوری صاحب: یہ ایک دو اور واقعات بھی ذرا آپ غور فرمائیں گے۔

حافظ غلام حسین: ایسا بھی تو ہوا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ام المؤمنین کو مہر کے طور پر اور مہر کی رقم سے اثاث البیت خرید کر دیا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جہیز کسی نہ کسی شکل میں اسلام میں داخل رہا ہے۔

ہاشمی صاحب: یہ تو ٹھیک ہے کہ جہیز کسی نہ کسی شکل میں ابتدائے اسلام میں بھی تھا۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ یہ ساری ذمہ داری شوہر کی ہے۔

حافظ غلام حسین: ٹھیک ہے شوہر ہی کی سہی۔

مظاہری صاحب: ذمہ داری تو کفالت کی ہے جہیز کی نہیں۔

نوری صاحب: اسی میں برتن اور بستر وغیرہ شامل ہیں۔

ہاشمی صاحب: نہیں جناب۔ شوہر حق مہر بھی دے گا شوہر اثاث البیت بھی دے گا کفالت بھی کرے گا۔ سکنیٰ بھی دے گا نفقہ بھی دے گا یہی تو عورت کو احترام دیا گیا ہے۔

خورشید النساء صاحبہ: محترم جناب السلام علیکم۔ میرے پاس آج کے موضوع کے لیے جو کچھ بیان ہو چکا ہے اس سے زیادہ مواد تو نہیں ہے لیکن بہرکیف میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہیز کی پابندی ناکام ہی رہتی ہے اور رہی ہے کیونکہ جب بھی پابندی ہوتی ہے تو چوری چھپے جہیز تو بہرصورت پہنچ ہی جاتا ہے۔ چار دن شادی سے پہلے یا بعد۔ اس میں زیادہ قصور لڑکی والوں کا نہیں ہوتا بلکہ مردوں کا زیادہ قصور ہوتا ہے۔ آئے دن جب ہم سہیلیوں کی باتیں ہوتی ہیں تو اکثر یہ سننے میں آتا ہے کہ ہمیں خاوند یہ کہتے ہیں کہ تم کیا لائی ہو۔ اگر مرد اس جہیز کے ذہنی طور پر پابند ہو جائیں کہ ہم نے جہیز نہیں لینا اور نہ اس کا طعنہ دینا ہے اور گھر میں کوئی دوسرا بھی یہ طنز نہ کرے۔ مرد اپنی ماؤں بہنوں کو بھی اس کا پابند بنائے کہ وہ اس کی بیوی کو جہیز کا طعنہ نہ دیں اس طرح جہیز کی اہمیت کو گھٹایا جائے۔ پھر تو اصلاح احوال ممکن ہے ورنہ پابندی لگانی بے کار ہے کیونکہ اس پر عمل کے محرکات موجود رہتے ہیں جہیز زیادہ اس لیے دینا پڑتا ہے کہ ساس۔ نند خسر اور خاوند تک بھی اس قسم کے بے معنی طعنوں سے بسا اوقات پرہیز نہیں کرتے اگر مرد کا ذہن جہیز کی بجائے عورت کی اچھی صفات کو نگاہ میں رکھے تو پھر جہیز کا مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔ رہا مہر کا مسئلہ اس میں بھی مردوں کا بہت زیادہ قصور ہے۔ مہر ادا ہی نہیں کیا جاتا بہلا پھسلا کر معاف کروا لیا جاتا ہے یہاں تک کہ اگر خدا نخواستہ طلاق ہو جائے تو تب بھی مہر ادا نہیں کیا جاتا۔ قرآن حکیم میں ہے کہ اگر تم نے بیوی کو ڈھیروں ڈھیر بھی دیا ہو تب بھی تم واپس نہیں لے سکتے لیکن بڑے بڑے عالم حافظ نمازی جب طلاق دیتے ہیں تو کچھ بھی نہیں دیتے۔

حافظ غلام حسین: خواتین کے آنے سے پہلے مخلوط تعلیم پر بات چیت ہو چکی تھی۔ اس کے بارے میں خواتین کا نقطۂ نظر بھی معلوم کر لینا چاہیے۔

نزہت فردوس: ہمارا پرسنل لا جواب ہے تعزیرات ہند یا تعزیرات پاکستان میں ہے۔

نوری صاحب: دیکھیے یہ موضوعات تو کل زیر بحث آئیں گے۔ آج تو صرف تعلیم اور جہیز پر بات ہو رہی ہے۔

پراچہ صاحب: اب تک ہم نے جہیز کے موضوع پر جتنی باتیں کی ہیں ان میں ایک بنیادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سبب ہے جب تک یہ سبب دور نہیں کیا جائے گا اس وقت تک یہ خرابیاں پیدا ہوتی رہیں گی اور وہ ہے ہمارا معاشی نظام جو اس وقت رائج ہے۔ اس معاشی نظام کے بھی دو تین پہلو ہیں جن کی وجہ سے یہ نمود و نمائش آئی ہے۔ اس میں سے ایک پہلو تو بے روزگاری ہے۔ یعنی جب روزگار فراہم نہ ہو تو لوگ یہ سوچتے ہیں گھر کے سامان کی بنیادی ضرورت تو لگے ہاتھوں یہیں سے پوری ہو جائے اور وہ ڈھیر سارے جہیز کا مطالبہ کر دیتے ہیں دوسرا ہے ہمارے ٹیکس کا نظام یعنی دولت مند طبقے کے لیے سرمایہ کاری کی کوئی صحیح راہیں نہیں کھلتیں جہاں سرمایہ کاری کی وہیں ٹیکس شروع ہو گیا۔ اس لیے کالا دھن وجود میں آتا ہے اور پھر کالے دھن کے مصارف کا مقام یہی ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ نمود و نمائش ہو جہیز زیادہ سے زیادہ دے دو یا کہیں بے فائدہ جگہ میں خرچ کر دو تاکہ ٹیکس سے بچا جا سکے۔ جب تک ٹیکس کا نظام درست نہیں ہوتا تو امیر طبقہ یہ اخراجات کرتا رہے گا اور اس کی مثال پیچھے ٹلتی رہے گی۔ ایک چیز یہ بھی ہے کہ پریس اس معاملے میں مدد کرے اخبار ریڈیو ٹیلیویژن اس کی برائی کو اچھی طرح اچھالیں اور اس کے منفی اثرات کو خوب اچھی طرح واضح کریں۔ ایک چیز یہ ہے کہ جہیز کا غیر افادی پہلو سامنے لایا جائے۔ مثلاً کپڑے اتنے زیادہ دیے جاتے ہیں کہ ان کا فیشن اور چلن بدل جاتا ہے اب وہ بے کار پڑے رہتے ہیں اور کسی کام میں آتے نہیں اور پیسہ برباد ہو جاتا ہے بعض اشیاء جہیز میں ایسی تیار کی جاتی ہیں کہ وہ زندگی بھر کبھی کام میں نہیں لائی جاتی تیسری عرض جو میں کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اگر ایسی انجمنیں وجود میں آئیں جس میں معاشرے کے با اثر افراد شامل ہوں جو خود بھی اس معاملہ میں مثالیں قائم کریں اور دوسروں کو بھی ترغیب کے ذریعے اس طرف موڑیں قانون اس کو موڑے گا تو ضد پیدا ہوگی۔ لیکن معززین محلہ جب خود ایسا کریں گے تو اور دوسروں کو بھی سمجھائیں گے تو اس کے اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔

<u>ہاشمی صاحب:</u> غالباً آپ کا خیال ہے کہ اگر امیر طبقہ اس کام میں آگے آئے اور جہیز کو کم کر دے تو حالات ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ یہ درست ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نوری صاحب: مخلوط تعلیم پر خواتین کا نقطہ نظر سن لیا جائے۔

بیگم خورشید النساء صاحبہ: میں مخلوط تعلیم کے بالکل مخالف ہوں۔ شرعی طور پر اس کی کوئی گنجائش نہیں الا بالاضطرار ہمارے ملک میں کیا عورتیں نہیں ملتی ہیں بے شمار عورتیں ہیں جو یونیورسٹی معیار تک پڑھا سکتی ہیں ہم خواتین کی علیحدہ یونیورسٹی کے حق میں ہیں۔

جناب نزہت فردوس صاحبہ: ہم کو جب کبھی مخلوط اداروں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے تو ہوتا یہ ہے کہ پڑھنے سے زیادہ ہمیں اپنی انرجی محض اس لیے صرف کرنا پڑتی ہے کہ ہم کسی قسم کے ماحولیاتی اثرات سے متاثر نہ ہوں اور کہیں خدانخواستہ کوئی ایسی بات نہ ہو جو ہمارے مستقبل پر دھبہ بن جائے۔

ہاشمی: یہ بہت اچھی بات آپ نے فرمائی۔

نزہت فردوس: اور جن حالات سے ہمیں وہاں سابقہ پڑتا ہے ہم اپنی آدھی سے بھی زیادہ انرجی اپنی حفاظت پر صرف کرتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری تعلیم میں ہرج ہوتا ہے اس لیے کہ ہماری انرجی زیادہ تر ماحولیاتی دباؤ کے خلاف ضائع ہو جاتی ہے، حالانکہ عام لڑکے اسی ماحول میں رہ کر ہم سے آدھی توجہ دے کر نمبر زیادہ لے جاتے ہیں۔ اس لیے ہمیں محنت دوگنی کرنی پڑتی ہے اور ہم پورا وقت اس قدر T[illegible] اور کھچاؤ میں رہتے ہیں کہ پوری توجہ تعلیم کی طرف دے ہی نہیں سکتے۔ اگر ہماری یونیورسٹی علیحدہ ہو تو پھر ہماری پوری توجہ پڑھائی کی طرف ہوگی اور اس T[illegible] سے ہمیں نجات مل جائے گی۔ یہ تو ہماری بہت بڑی بدقسمتی ہے کہ پاکستان کو بنے ۲۷ برس گذرنے کے باوجود اب تک الگ خواتین کی یونیورسٹی نہیں بن سکی۔ تو ہم اس پلیٹ فارم سے یہ قرارداد پیش کرتے ہیں کہ خواتین کی علیحدہ یونیورسٹی بنائی جائے۔

حافظ غلام حسین: خواتین میں آج کل یہ بھی ایک نقطہ نظر پایا جاتا ہے کہ انہیں ٹیکنیکل تعلیم بھی حاصل کرنی چاہیئے۔ محترمہ اس سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زینب کاکاخیل: میں عرض کرتی ہوں کہ مخلوط تعلیم کو تو بہت جلد ختم کرنا چاہیئے۔ ہم لوگ ویمن یونیورسٹی کے لیے بہت کوشش کر چکے ہیں معلوم نہیں ان چند عورتوں کی کیا خصوصیت ہے کہ انہوں نے جلوس نکالا تو ڈاکٹر اسرار کو ٹیلیویژن سے الگ کر دیا گیا۔ اور جو کچھ وہ کہتیں ہیں اور جلوس نکالتی ہیں تو کام ہو جاتا ہے۔ ہم قراردادیں پاس کر کر کے۔ تاریں دے دے کر۔ اور درخواست کر کر کے تھک ہار گئے ہیں۔ اب دیکھئے جاپان میں خواتین کی یونیورسٹی الگ ہے اور جاپان کے سفیر کی اہلیہ سے جب اس علیحدگی کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگی کہ وہاں کچھ لوگ ہیں جو اپنی بیٹیوں کو مخلوط اداروں میں نہیں بھیجنا چاہتے۔ تو ان کے لیے یہ انتظام کیا گیا ہے۔ دیکھئے یہ تو ہیں سیکولر جو نہ خدا کو مانتے ہیں نہ رسول کو نہ ان کے ہاں اخلاقی اقدار ہیں نہ معاشرتی اصول ہیں لیکن انسانی معروف کے طور پر جو کو ایجوکیشن کو نہیں مانتے ان کیلئے ایک الگ ادارہ بنا دیا ہے۔ تو کیا ہمارے یہاں نہیں ہو سکتا۔ بھارت میں دو یونیورسٹیاں ہیں خواتین کی۔ کوریا میں خواتین کی الگ یونیورسٹی ہے۔ حتیٰ کہ شہنشاہ کے دور میں ایران میں بھی خواتین کی الگ یونیورسٹی تھی۔ یہاں پتہ نہیں کیوں نہیں ایسا ہو سکتا شاید پھر ہمیں بھی جلوس نکالنا پڑے۔ یہ جو ہماری خواتین ہیں یہ بڑے گلے پھاڑ پھاڑ کر کہتی ہیں کہ عورت مرد برابر اور مرد کے شانہ بشانہ لیکن جیسا کہ آپ فرما رہے تھے کہ نہ تو ان میں اتنی مہارت ہے کہ علاج کے معاملے میں ان پر اعتماد کیا جائے اور نہ ہی ایجوکیشن کے معاملے میں۔ وہ تو کہتی ہیں کہ وہ یونیورسٹی بیویوں کی جھونپڑی بن جائے گی جس کو صرف خواتین چلائیں گی۔ تو بتائیے اب ایسی صورت حال میں کیا کیا جائے۔

ہاشمی صاحب: محترمہ! آپ نے بہت ہی حوصلہ افزا اور معلوماتی باتیں کہی ہیں اور بہت مفید خیالات کا اظہار کیا ہے۔ بہر صورت یہ بات طے ہو گئی کہ (مخلوط تعلیم) کو جلد از ختم کیا جائے۔ خواتین کی الگ یونیورسٹی قائم کی جائے۔ جہیز کے معاملے میں بھی یہ بات طے ہوئی کہ یہ شرعی قید نہیں ہے اور نہ ہی شرعاً ضروری ہے لیکن اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کو تحفہ دینا چاہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو دے سکتا ہے۔

خورشید النساء اور دیگر خواتین: لیکن شوہر کو اخلاقاً اس کا پابند کیا جائے کہ وہ بیوی کو جہیز نہ لانے کی صورت میں طعنہ زنی نہ کرے۔ اور نہ ہی اسے کمتر و کہتر سمجھے۔ اور اگر کوئی باپ کچھ دے تو اس کی نمود و نمائش نہ کی جائے۔

نوری صاحب: یہ ایک سماجی مسئلہ ہے۔ اس کا حل تمام افراد معاشرہ کو مل کر کرنا چاہیے۔

فرید پراچہ صاحب: کبھی کبھار یوں بھی ہوتا ہے کہ لڑکیاں اپنی مرضی سے شادی کر لیتی ہیں وہاں تو جہیز کا کوئی مسئلہ ہی نہیں اٹھتا۔

ہاشمی صاحب: خواتین و حضرات مرکز تحقیق کی جانب سے میں آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہمارے مذاکرے میں شرکت فرما کر ہمیں اپنے خیالات عالیہ سے مستفید ہونے کا موقع عنایت فرمایا اب میں مولانا مظاہری سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ دعا فرمائیں۔

بنات اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں صاحبزادیوں کے
مفصل مدلل حالاتِ زندگی
عشق و عقیدت کے گہرے جذبات کے ساتھ لکھی جانے والی
اردو میں سب سے بڑی کتاب
محبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک نادر تحفہ
رحماء بینھم کے مصنف۔ مولانا محمد نافع مدظلہ کے قلم سے۔
مکہ بکس چوک اردو بازار (مچھلی منڈی) لاہور
ہدیہ مجلد ۵۰ روپے / غیر مجلد ۳۵ روپے

© rasailojaraid.com